

Cerebral Palsy

C.P دو الفاظ Cerebral Palsy کا مخفف ہے۔ یہ ایک ایسی بیماری ہے جس میں بچے کی پیدائش سے پہلے، دوران یا پیدائش کے فوراً بعد اگر دماغ میں خون یا دوسرے لفظوں میں آکسیجن کی کمی ہو جائے تو چند منٹوں میں بچے کے دماغ کا کچھ حصہ متاثر ہو جاتا ہے اور اس کے نتیجے میں جسم کا متعلقہ حصہ مفلوج ہو جاتا ہے۔

اس بیماری کا شکار بچہ پیدائش کے وقت بالکل نارمل نظر آتا ہے لیکن عام طور پر تین چار مہینے گزرنے کے بعد جب بچہ گردن نہیں سنبھالتا تو والدین کو تشویش ہوتی ہے اور پہلی دفعہ ان کو پتہ چلتا ہے کہ ان کے بچے کو کوئی بیماری لاحق ہے جو عام طور پر C.P ہوتی ہے۔

C.P کے مریض بچے بیٹھتے بھی لیٹ ہیں۔ اگر عام بچے چھ مہینے میں بیٹھنا شروع کر دیتے ہیں تو یہ بچے سال میں بیٹھنا شروع کرتے ہیں۔ اگر بیماری کی نوعیت شدید ہو تو یہ اس سے بھی زیادہ دیر سے بیٹھنا شروع کرتے ہیں۔ اسی طرح چلتے بھی دیر سے ہیں اور ان کے جسم کی دیگر صلاحیتیں بھی دیر سے جاگتی ہیں جن میں بولنا اور چیزوں کو پکڑنا وغیرہ شامل ہیں۔

عام طور پر ایسے بچوں کے جسم میں اکڑا ہٹ بہت نمایاں ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے ان کے ہاتھ پاؤں اور گھٹنے ٹیڑھے ہونے لگتے ہیں اور اگر مستقل ٹیڑھے ہو جائیں تو ان کے ٹھیک ہونے کے امکانات کم ہو جاتے ہیں۔

C.P کی کئی اقسام ہوتی ہیں۔ پہلی قسم میں اکڑا ہٹ بہت نمایاں ہوتی ہے جب کہ دوسری قسم میں پٹھے بہت ڈھیلے ہوتے ہیں۔ تیسری قسم میں مریض کا توازن خراب ہو جاتا ہے جب کہ چوتھی قسم میں جسم کے اندر غیر ضروری حرکات ہوتی ہیں۔

C.P کے جن مریضوں میں بیماری کی شدت بہت کم ہوتی ہے وہ عمر کے بڑھنے کے ساتھ اور علاج سے نارمل لوگوں جیسے ہو سکتے ہیں۔ جن مریضوں میں بیماری کی شدت زیادہ ہوتی ہے انہیں علاج کے بعد چلنے کے لئے سہارے کی ضرورت ہوتی ہے۔ جن مریضوں میں یہ بیماری بہت شدید نوعیت کی ہوتی ہے وہ زندگی بھر وہیل چیئر استعمال کرتے ہیں۔ اسی طرح آپ C.P کے مریضوں کا موازنہ بڑے لوگوں میں فالج کے مرض سے کر سکتے ہیں۔ بعض اوقات C.P کے مریضوں کے جسم کا ایک حصہ یا دایاں یا بائیں بازو یا ٹانگ یا دونوں مفلوج ہو سکتے ہیں۔ C.P کے مریض کو کتنی معذوری ہوگی اس کا انحصار اس کے دماغ کے خلیوں کے پہنچنے والے نقصان سے کیا جاتا ہے۔

وجوہات:

پاکستان میں جہاں پولیو کا مرض ختم ہو رہا ہے وہاں C.P کے مریضوں کی تعداد بہت زیادہ بڑھ رہی ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ دیہی علاقوں میں بچے کی پیدائش کے وقت حفظانِ صحت کے اصولوں کا بالکل خیال نہیں رکھا جاتا۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ غیر تربیت یافتہ دایاں بچوں کو deliver کرتی ہیں۔ کبھی کبھی بڑے شہروں میں بھی یہ بات دیکھنے میں آتی ہے۔

اس طرح چھوٹے ہسپتالوں میں ڈلیوری کے پورے انتظامات نہیں ہوتے اور بچے کی پیدائش میں دیر کر دی جاتی ہے جس سے سی پی کا مرض لاحق ہو جاتا ہے۔ اسی طرح حاملہ عورتیں اگر صحت مند نہ ہوں یا ان کو غیر ضروری ادویات استعمال کروائی گئی ہوں تو یہ بھی سی پی کا سبب بن سکتا ہے۔

یہ سچ ہے کہ اگر کسی کے بچے کو سی پی کا مرض لاحق ہو جاتا ہے اور ڈاکٹر انہیں حقائق سے آگاہ کرتا ہے تو وہ بہت زیادہ پریشان ہو جاتے ہیں۔ خاص طور پر جب وہ انہیں بتاتا ہے کہ اب ان کا بچہ کبھی نہیں چل سکے گا تو ان پر تو گویا غم کا پہاڑ ٹوٹ جاتا ہے۔ اس سلسلے میں، میں ڈاکٹروں سے یہ درخواست کرنا چاہوں گا کہ والدین سے اتنی بڑی بات کہنے سے پہلے وہ بچے کی بیماری کی شدت کا اچھی طرح جائزہ لے لیں۔ کیونکہ اکثر اس بیماری کی شدت ایک جیسی نہیں ہوتی۔ ان میں سے کچھ لوگ نارمل لوگوں کی طرح ڈاکٹر اور انجینئر بھی بن سکتے ہیں اور کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو ساری زندگی وہیل چیئر پر گزارتے ہیں۔ اسی طرح معالجین کو نہ مکمل علاج کا دعویٰ کرنا چاہیے اور نہ بالکل مایوس کرنا چاہیے۔

کیا C.P کے سب مریض ایک جیسی صحت یابی حاصل کر سکتے ہیں؟

یاد رکھیں کہ نہ تو سی پی کے سارے مریض ایک جیسے ہوتے ہیں اور نہ وہ ایک جیسی صحت یابی حاصل کرتے ہیں۔ اس لئے ایسے مریضوں کے والدین اپنے بچوں کا دوسروں کے بچوں سے موازنہ نہ کریں۔ سی پی کے مریضوں کی مائیں اکثر مجھ سے شکایت کرتی ہیں کہ فلاں کا بچہ ٹھیک ہو گیا ہے جب کہ ان کا بچہ ٹھیک نہیں ہوا ہے۔ میں انہیں سمجھاتا ہوں کہ اس بات کا تعین نہیں کیا جاسکتا کہ سی پی کے مریض کے دماغ کو کس حد تک نقصان پہنچا ہے۔

یہ بات شاید آپ کے لئے نئی ہو کہ دماغ اور ذہن دو مختلف چیزیں ہیں۔ دماغ کو ایک آئی آر اور سٹی سکین سے دیکھا جاسکتا ہے لیکن ذہن کو نہیں۔ دماغ ہماری کھوپڑی میں موجود خلیوں کا نام ہے جب کہ ذہن ان خلیوں کی ترتیب سے دماغ کے فعال ہونے کا نام ہے۔

اگر سٹی سکین کے ذریعے دماغ کی کسی خرابی کی نشان دہی ہو جائے تو یہ بات کہنا یقینی ہو جاتا ہے کہ دماغ کی اس خرابی کا ذہن پر اثر ضرور پڑے گا۔ لیکن یہ بھی ممکن ہوتا ہے کہ یہ اثر بہت کم ہو۔ میرے ایک مریض حبیب کو بچپن میں Cerebral Palsy کا مرض لاحق ہو گیا۔ وہ نارمل بچوں کی نسبت دیر سے بیٹھا، دیر سے چلا اور باتیں کرنا بھی دیر سے شروع کیں۔ حتیٰ کہ 18 سال کی عمر تک بھی وہ صحیح طریقے سے بات نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن وہ کپڑے بدل لیتا تھا، خود ہی کھاپی لیتا تھا اور اگر گھر سے باہر چلا جائے تو خود ہی واپس آ جاتا تھا۔ وہ پڑھ تو نہ سکا لیکن اسے اعداد و شمار کا غیر معمولی شعور تھا۔ باوجود ذہنی پستی کے اگر کوئی اسے چار ہندسوں کو چار ہندسوں سے ضرب دینے کے لئے کہتا تو وہ دس سیکنڈ سے پہلے حل بتا دیا کرتا تھا۔ غالباً اس کے دماغ کا کوئی ایک حصہ بہت فعال ہو چکا تھا۔ میرے خیال میں اگر ضرب کا یہی عمل کسی نارمل انسان کو کرنے کے لئے دیا جائے تو شاید وہ کاغذ اور قلم اور کم از کم دو منٹ کا وقت مانگے گا۔ لیکن حبیب بغیر کچھ لکھے ہوئے صرف دس سیکنڈ کے اس مختصر عرصے میں یہ حل بتا سکتا تھا۔

اسی طرح سی پی کا میرا ایک اور مریض عثمان بتا سکتا تھا کہ کس تاریخ کو، کون سا دن تھا۔ مثال کے طور پر اگر کوئی عثمان سے یہ پوچھتا کہ 1949 کے سال میں جولائی کی 2 تاریخ کو کیا دن تھا تو وہ فوراً دن بتا دیا کرتا تھا۔ ایک زمانے میں جب میں ٹی وی پر معذور افراد کے لئے پروگرام ”روشنی“ کیا کرتا تھا تو میں عثمان کو اس پروگرام میں بلایا کرتا تھا اور لوگوں سے اس کی صلاحیت منوایا کرتا تھا۔ بہت سے لوگ آج بھی عثمان کو یاد کرتے ہیں۔ چنانچہ یہاں میں سی پی کے مریضوں کے والدین سے درخواست کرنا چاہوں گا کہ وہ اپنے بچوں کو غیر معمولی صلاحیتوں کو پہچانیں اور انہیں اس سے بھرپور فائدہ اٹھانے دیں۔

ایک دفعہ سی پی کا ایک مریض جاپان سے پاکستان میں منعقد ہونے والی ایک تقریب میں شرکت کے لئے تنہا آیا۔ وہ ٹانگوں اور دونوں ہاتھوں سے معذور تھا لیکن بجلی سے چلنے والی اپنی وہیل چیئر پر ہر جگہ پہنچ جاتا تھا۔ وہ ایک ٹھیک ٹھاک خود مختار زندگی گزار رہا تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے ایک تھا جو معذوری کو مجبوری نہیں سمجھتے۔

ایسے لوگ بہت حقیقت پسند ہوتے ہیں۔ لیکن بد قسمتی سے ان مریضوں کے برعکس ان کے والدین اس حقیقت پسندی کا مظاہرہ نہیں کرتے۔ جب میں انہیں بتاتا ہوں کہ ان کا بچہ شاید اب کبھی چل نہیں سکے گا اس لئے وہ اسے ایک وہیل چیئر دلوادیں تو وہ ناراض ہو جاتے ہیں۔ وہ یہ کہہ کر علاج چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ اپنے بچے کا علاج کروانے آئے تھے، اسے معذور بنوانے نہیں۔

کچھ دولت مند والدین اپنے بچوں کو علاج کے لئے ملک سے باہر لے جاتے ہیں لیکن میں انہیں یہ حقیقت بتانا چاہتا ہوں کہ پاکستان اور باہر کے علاج میں کوئی زیادہ فرق نہیں ہے۔ تمام والدین یہ چاہتے ہیں کہ ان کا بچہ ٹھیک ہو جائے چاہے اس کے لئے انہیں کچھ بھی کرنا پڑے۔ اس لئے کچھ لوگ اپنا سب کچھ بیچ کر اور دوسرے بچوں کا پیٹ کاٹ کر اپنے سی پی کے بچوں کو علاج کے لئے باہر لے جاتے ہیں۔ برائے مہربانی ایسا ہرگز نہ کریں۔

سی پی کے مختلف مروجہ علاج:

سی پی کے بچوں کے والدین کو اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ وہ بچے کی صحت یابی کے بارے میں کبھی مایوس نہ ہوں۔ میرے مشاہدے میں یہ بات آئی ہے کہ جب کچھ عرصہ تک علاج سے خاطر خواہ فائدہ نہ ہو رہا ہو تو اکثر مریضوں کے والدین علاج چھوڑ دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ بچے کی نگہداشت بھی بددلی سے کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس طرز عمل سے نہ صرف بچے کی بحالی رک جاتی ہے بلکہ اس کی بیماری بگڑتی چلی جاتی ہے اور یہ بگڑتی ہوئی حالت والدین کی مایوسی کو مزید تقویت دیتی ہے۔ کیونکہ مایوسی مایوسی کو ہی جنم دیتی ہے۔ یہ مایوسی اس حوالے سے بہت ہی خطرناک ہے کہ والدین کی ہمت ٹوٹنے سے بچے کی ہمت بھی ٹوٹ جاتی ہے۔

میڈیکل سائنس کی رو سے بچے جب تک شعوری طور پر خود سوچنے سمجھنے کی مکمل صلاحیت حاصل نہیں کرتے اس وقت تک ان کے شعور کی ترجمانی ان کے والدین کا شعور کر رہا ہوتا ہے۔ اس لئے اگر والدین ہمت کا مظاہرہ کریں گے تو یہ ہمت ان کے بچے کی شخصیت کا بھی حصہ بن جائے گی۔ اس بات کا خاص طور پر خیال رکھیں کہ بچے کے سامنے مایوسی کا اظہار نہ کریں۔

سی پی کے بچے ایک خاص رفتار سے ٹھیک ہوتے ہیں۔ اگر آپ کو لگے کہ بچے کی ٹھیک ہونے کی رفتار کم ہے تو اس کی دو وجوہات ہوتی ہیں۔ پہلی وجہ یہ ہوتی ہے کہ بچے کی بیماری کی شدت بہت زیادہ ہوتی ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یا تو بچہ بہت کم ٹھیک ہوگا یا بہت دیر سے ٹھیک ہوگا۔ دوسری وجہ بچے کی علاج میں کوتاہی ہو سکتی ہے۔ اگر ایسا ہے تو اس کا مداوا کریں لیکن اگر آپ کو یقین ہے کہ علاج میں کوئی کوتاہی نہیں کی جا رہی تو مایوس ہونے کی بجائے معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیں۔

بچوں کو علاج کے طور پر بہت مہنگے ٹیکے لگائے جاتے ہیں۔ ایک ٹیکے کی مالیت تقریباً 15 ہزار روپے کے لگ بھگ ہوتی ہے۔ ان ٹیکوں کے لگانے کا مقصد مریض کے جسم کی اکڑاہٹ کو کم کرنا ہوتا ہے۔ لیکن ان ٹیکوں کا اثر تین یا زیادہ سے زیادہ چار ماہ تک رہتا ہے۔ اس کے علاوہ بار بار ٹیکے لگانے سے پٹھوں کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔

سی پی کے کچھ مریضوں کو سرجری کا فائدہ ہو سکتا ہے۔ ہمارے ہاں یہ تاثر پایا جاتا ہے کہ اگر دو اسے افادہ نہ ہو تو سرجری کروالیں۔ یہ تاثر بالکل غلط ہے۔ سی پی میں سرجری اس وقت کرنی چاہیے جب ڈاکٹر یہ محسوس کرے کہ پٹھوں میں طاقت تو لیکن ہاتھوں اور ٹانگوں کا ٹیڑھا پن اس نوعیت کا ہے کہ یہ مریض کے چلنے اور کام کرنے میں رکاوٹ بن رہا ہے۔ اگر پٹھوں میں طاقت کم ہے تو سرجری نہیں کروانی چاہیے۔ خاص طور پر ان بچوں کی سرجری نہیں کروانی چاہیے جو گھٹنوں پر خم دے کر چلتے ہیں۔ ایسے بچوں میں سرجری فائدے کی بجائے نقصان کا باعث بنتی ہے۔ سرجری سے ظاہری طور پر ٹیڑھا پن تو ٹھیک ہو جاتا ہے لیکن مریض چلنے پھرنے سے بالکل معذور ہو جاتا ہے۔

یہ بات سمجھنے والی ہے کہ سی پی کے مریضوں کے پٹھوں میں چونکہ طاقت اور توازن کی کمی ضرور ہوتی ہے اس لئے وہ اس توازن کو برقرار رکھنے کے لئے یہ خاص پوزیشن اپنالیتے ہیں جسے ہم ٹیڑھا پن اور میڈیل سائنس Compensatory Position کہتی ہے۔ اس قسم کا ٹیڑھا پن مریض کے لئے بہتر ہوتا ہے۔ اس غیر ضروری سرجری سے اب تک کئی ایک مریض چلنے سے معذور ہو چکے ہیں اس لئے میں ڈاکٹروں سے التجا کرتا ہوں کہ سرجری کا فیصلہ سوچ سمجھ کر کریں۔ بہتر ہے کہ Rehabilitation کے کسی ماہر کی رائے لے لیں۔

میری ایک چھ سالہ مریضہ سہارے کے ساتھ اپنے گھٹنے کو موڑ کر کچھ قدم لے لیتی تھی۔ مریضہ کے والد ایک صاحب حیثیت آدمی تھے۔ انہوں نے میرے منع کرنے کے باوجود کسی اور ڈاکٹر کی رائے پر عمل کرتے ہوئے بچی کے گھٹنے سیدھے کروانے کے لئے آپریشن کروالیا۔ وہ گھٹنے سیدھے ہونے پر بہت خوش تھے لیکن جب دو ماہ کے بعد پلستر کھولا گیا تو بچی چلنے پھرنے سے ہمیشہ کے لئے معذور ہو چکی تھی۔

اسی طرح آپ نے دیکھا ہوگا کہ مریض جو چلنے سے معذور ہو جائے اسے یا بریسز لگا کر یا خاص قسم کے جوتے پہنا کر چلانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس سلسلے میں اس مریض کی بیماری کی شدت کو پیش نظر نہیں رکھا جاتا۔ یاد رکھیں کہ سی پی کے مریضوں کو بریسز صرف اس وقت لگانی چاہیے جب اس کی کوئی معقول وجہ ہو۔ اس کی بجائے صرف ورزش اور ادویات سے علاج کرنا بہتر ہے۔ بریسز لگانے کے بعد مریض سارا بوجھ خود اٹھانے کی بجائے بریسز پر ڈال دیتا ہے جس کے نتیجے میں مریض کے پٹھوں میں موجود طاقت دن بدن کم ہوتی چلی جاتی ہے۔ اس لئے بریسز لگانے یا نہ لگانے کا فیصلہ بھی اپنے ڈاکٹر پر چھوڑ دیں۔

سی پی کے علاج کے لئے کچھ لوگ بڈی جوڑ پہلوانوں کے پاس چلے جاتے ہیں۔ یاد رکھیں پٹیاں کروانے سے بھی پٹھے

کمزور وہ جاتے ہیں کیونکہ ٹانگ کو باندھ دینے سے پٹھوں کی حرکت رک جاتی ہے اور نتیجہ کے طور پر وہ سوکھنے لگتے ہیں۔ اس لئے کسی مستند ڈاکٹر سے علاج کروانا ہی بہتر ہے۔

سی پی کے مریضوں کے والدین اکثر مجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا تیل کی مالش کرنے سے سی پی کے مریضوں کی حالت میں بہتری آسکتی ہے۔ اس سوال کا جواب دینا مشکل ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ مالش صرف پٹھوں کے Tendons پر کرنی چاہیے یعنی جوڑوں کے پیچھے جہاں سختی ہوتی ہے۔ پورے جسم پر مالش کرنے سے کوئی خاص فائدہ نہیں ہوتا۔

اگر بچہ سہارے یا بغیر سہارے کے چل رہا ہے تو ٹیڑھا پن آنے کے باوجود بچے کو چلنے دیں۔ یاد رکھیں، ”معذوری میں چلنا اہم ہوتا ہے نہ کہ چلنے کا انداز“ اس بات کا امکان ہے کہ چلتے چلتے اس کی چال خود بخود بہتر ہو جائے۔ 10 یا 12 سال کی عمر تک بلکہ اس سے بھی زیادہ عمر تک ہونے والی بہتری کو جاری رہنے دیں اور کچھ نہ کریں۔ لیکن اگر آپ کو لگے کہ اب مزید بہتری نہیں آرہی تو چال میں بہتری لانے کے لئے اپنے ڈاکٹر کے مشورے سے دوسرے طریقے بھی اختیار کئے جاسکتے ہیں۔ چنانچہ:

”چلنے پر توجہ دیں چال پر نہیں“